رسائل و مسائل

تحقیقِ دلائل، تقلیدِ ائمہ اور عام آدمی

شیخ الحدیث مولانا عبد المالک صاحب ۔ منصورہ۔ لاہور

سوال:۔ دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ کسی ایک امام کی پیروی لازمی ہے، خواہ کوئی سا امام ہو۔ یعنی امام ابوحنیفہؒ ہوں، امام مالکؒ ہوں، امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ۔ اور اگر ایک معاملہ میں کسی ایک امام کی اور کسی دوسرے معاملے میں کسی دوسرے کی پیروی کی جائے تو یہ غلط ہے۔

جماعت کا لٹریچر پڑھ کر میں یہ موقف صحیح سمجھا ہوں کہ کسی ایک امام کی پیروی لازمی نہیں۔ اگر ایک امام کو مخصوص کر کے انہی کی پیروی کریں گے اور اندھی تقلید کریں گے تو یہ صحیح نہیں۔ اور تبلیغی جماعت والے تو کہتے ہیں کہ مذہب میں عقل کو دخل ہی نہیں۔

میرا موقف یہ ہے کہ اندھی پیروی سے تو بات اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ والی ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر گرفت کی تھی کہ تم نے اللہ کے سوا کچھ دوسرے خدا بنا لیے ہیں۔

ان امور کی وضاحت فرما کر مشکور فرمادیں۔

جواب:۔ آپ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ کسی ایک امام کی تقلید کی قسم کھا بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ جو شخص کتاب و سنت اور فقہاء کی تحقیقی آرا کا گہرا علم رکھتا ہے اسے تو عملاً اس سے سابقہ پیش آسکتا ہے، بلکہ آتا ہے کہ وہ مختلف آراء میں سے کسی بات

اور سلف سے رائے نہ ملنے کی صورت میں اپنی تحقیق پر عمل پیرا ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کے اہلِ علم کا دائرہ محدود ہے۔ عام آدمی کو تو کسی ایسے صاحب علم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس کے علم پر اُسے اعتماد ہو۔ اور یہ بات آپ جانتے ہیں کہ اُمتِ مسلمہ کے بہت بڑے حصے کو اپنے اپنے علاقے کے ائمہ اربعہ پر اپنے دور میں اعتماد ہو گیا اور اس کے بعد یہ اعتماد اب تک قائم ہے۔ اس دور میں جو شخص حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی عالم کی طرف رجوع کرتا ہے، وہ دراصل ائمہ اربعہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان ائمہ پر اعتماد اُن کے علم اور تقویٰ کے زور پر قائم ہوا ہے اور قائم ہے۔ اسے آپ تقلید کا نام دیں یا کچھ اور، یہ شریعت کے مطابق ہے۔ امام غزالی نے المستصفیٰ میں اسے "استفتا" کا نام دیا ہے اور اس طریقہ پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے۔ صحابہ میں سے جو زیادہ علم نہیں رکھتے تھے۔ وہ اہلِ علم صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے جواب لینے کے بعد دلائل کا مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ آج بھی ہر مسلک کے امام (مسلکِ اہل حدیث سمیت) اہلِ علم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جسے جس کے علم پر اعتماد ہوتا ہے وہ ہر مسئلے میں اس سے جواب کے ساتھ دلائل کا مطالبہ نہیں کرتا[۱] اور نہ ہی ہر شخص یہ

---

[۱] امام یا عالم کے اعتماد کا اس بحث میں مطلب یہی ہے کہ وہ معروف حیثیت سے مسائل حقیقی کو نص پر مبنی کرتا ہو اور استدلال سے کام لیتا ہو۔ اس پر اُس کی کتابیں، اس کے شاگرد، اس کے مواعظ اور اس کے درس گواہ ہوں۔ ایسے اعتماد کے بغیر نہ دین کا کام چل سکتا ہے اور نہ دُنیا کے بہت سے اُمور انجام پا سکتے ہیں۔ اگر ہر شخص ایک ایک معاملے میں جس کسی سے بات کرے اُس سے دلائل طلب کرتا رہے تو ایسی صورت میں جو مشکل پیش آئے گی اُسے تو الگ رکھیے، سوال یہ ہے کہ کیا ہر شخص میں دلائل کو پوچھنے، سمجھنے، ان کا تجزیہ کرنے، اُن پر تنقید یا اُن کی تردید کرنے کا ملکہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا ہر شخص لغت، گرامر، فنِ تفسیر، فنِ حدیث، اسماء الرجال وغیرہ کا عالم ہو سکتا ہے۔ قابلِ عمل معروف طریقوں کو چھوڑ کر محض بحث کھڑی کرنے سے تو بات نہیں بنتی۔ لاکھوں، کروڑوں دیہاتی اور ان پڑھ اور کم خواندہ لوگوں کے لیے عملی راستہ بتایئے (ایڈیٹر)

صلاحیت رکھتا ہے کہ دلائل کے حسن و قبح کو سمجھ سکے۔ اس لیے تحریکِ اسلامی کا لٹریچر جہاں ایک طرف اس جمود کو توڑتا ہے کہ کسی ایک امام کی ہر بات کو قبول کرنا ضروری ہے وہیں وہ اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ جس کسی کو کسی عالم یا امام یا استاد کے تبحرِ علمی پر زیادہ اعتماد ہو وہ اس کی رائے پر اعتماد کرے۔ بشرطیکہ اس مسئلہ میں اس کی اپنی کوئی علمی تحقیق نہ ہو یا وہ تحقیق کا اہل نہ ہو۔ اس باب میں اصل بات اس سے زیادہ نہیں ہے لیکن یہ بات افسوسناک ہے کہ طرفین نے غلو کا راستہ اختیار کر کے بلاوجہ محاذ آرائی کی صورت پیدا کر دی ہے۔

اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اہلِ حدیث علماء سے یہ کہا جائے کہ اپنی تحقیق پر عمل کریں، اس کی اشاعت و تبلیغ کریں اور جو لوگ ان کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوں وہ ان کی تحقیق پر عمل کریں۔ ائمہ کی جس بات سے انہیں اختلاف ہو اسے بیان کریں اور اس کے خلاف دلائل دیں اور اس پر عمل نہ کریں لیکن عمومی فتویٰ بازی سے پرہیز کریں اور یہ نہ کہیں کہ ان کے سوا باقی لوگ کتاب و سنت کی بجائے ائمہ کے پیرو ہیں۔ درانحالیکہ اہل حدیث اور مقلدین دونوں کا مقصد کتاب و سنت کی پیروی ہے اور اس لحاظ سے دونوں میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق اس سے آگے اس اصول پر عملاً پورا اترنے میں ہو سکتا ہے اور اس باب میں بھی اہل حدیث کو یہ حق ہے کہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن و حدیث پر عملاً پورا اترتے ہیں اور حنفیوں اور شافعیوں کو بھی حق ہے کہ وہ اس کا دعویٰ کریں۔ اور اس طرح اپنی اپنی راہ کو صواب سمجھتے ہوئے اس پر گامزن ہوں۔ اس طرح یہ اختلاف فروعی اختلاف قرار پاتا ہے اور میری رائے میں یہی اس کی حقیقت ہے اسے اس سے زیادہ حیثیت دینا غلو فی الدین ہے۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے حلقہائے اثر فطری طور پر قائم ہوئے ہیں جس علاقے میں انھوں نے علمی اور دینی خدمات سرانجام دیں اس علاقے کے لوگ ان کے تبحر علمی، تقویٰ اور ورع سے متاثر ہوئے اور اس طرح سے ان کی فقہیں ان علاقوں میں رائج ہو گئیں۔ اس لئے جو شخص جس امام کے حلقۂ اثر

میں ہے اور اس کا ضمیر اس پر مطمئن ہے۔ اس کے لیے خواہشِ نفس اور ذاتی مفادات کی بنا پر اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اس کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے امام کی رائے پر عمل کرے۔ لیکن اہلِ علم دینی اور اجتماعی مصالح اور دلائل کی قوت کی وجہ سے دوسرے امام کے قول پر فتوٰی دے سکتے ہیں۔ جیسے کہ لاپتہ ہو جانے والے شخص کی بیوی کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے علماء سے مشاورت کے بعد فقہ حنفی کے بجائے فقہ مالکی کے مطابق فتوٰی جاری کیا۔ اور اب تمام حنفی علماء اسی مسئلہ میں فقہ حنفی کے مطابق فتوٰی دیتے ہیں۔

۲- تبلیغی جماعت والے ہی نہیں، دوسری دینی جماعتیں بھی یہ نظریہ رکھتی ہیں کہ دین کی بنیاد وحی پر ہے۔ اور دین کا ایک حصہ تو ایسا ہے جس کا ادراک عقل کر ہی نہیں سکتی مثلاً نماز کی رکعتوں کی تعداد۔ اموالِ زکات، ان کا نصاب اور ادائیگی کی مقادیر، حج کے لیے میدانِ عرفات میں مقررہ تاریخ پر وقوف کرنا وغیرہ۔

اور بعض چیزیں ایک درجہ میں عقلی ہیں جیسے توحید، سچ بولنا، جھوٹ سے پرہیز کرنا، ظلم نہ کرنا وغیرہ لیکن ان کی تفصیلات اور ان کا صحیح اور کامل علم وحی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

تحریکی لٹریچر میں خوبصورت اضافہ

یادوں کی امانت

سید عمر تلمسانی

ترجمہ: حافظ محمد ادریس

• مجلد مع ڈسٹ کور • ۵۱۲ صفحات • قیمت: ۷۰/- روپے

البدر پبلی کیشنز - ۲۳ - راحت مارکیٹ - اردو بازار لاہور ۲